لالۂ طور

پیام مشرق کی رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ فارسی متن کے ساتھ

ق/55

علامہ محمد اقبال / حکیم سرو سہارنپوری

لالۂ طور

پیام مشرق کی رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ
فارسی متن کے ساتھ

علامہ محمد اقبال

مترجم
حکیم سرو سہارنپوری

اقبال اکادمی پاکستان

Accession 48189
Class اقبالیات
Book No. 558
48189
153/153
0013316
DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY AZAMGARH U.P.

جملہ حقوق محفوظ

ناشر
محمد سہیل عمر
ناظم
اقبال اکادمی پاکستان
(حکومتِ پاکستان، وزارت ثقافت)
چھٹی منزل، ایوان اقبال، لاہور
Tel: [+92-42] 36314-510
Fax: [+92-42] 3631-4496
Email: director@iap.gov.pk
Website: www.allamaiqbal.com

ISBN 978-969-416-447-2

طبع اول	:	۲۰۱۰ء
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	۱۵۰ روپے
مطبع	:	شرکت پریس، لاہور
ٹائیٹل ڈیزائن	:	خالد فیصل

محل فروخت: ۱۱۶ میکلوڈ روڈ، لاہور فون نمبر: ۳۷۳۵۷۲۱۴

حرفِ اوّل

۱۹۶۲ء کا دورانیہ ہے، یہ وہ زمانہ ہے جب روالپنڈی میں شعراء کے مقاماتِ آہ وفغاں مختلف چائے خانے یا چھوٹے چھوٹے ریستوران رہے ہیں، لیکن ایک منفرد مقام ڈاکٹر گزن صاحب کا مطب بھی تھا، جو اقبال روڈ کے بالکل آغاز ہی میں تھا۔ یہاں مرحوم ضمیر جعفری، نذیر شیخ، نظم اکبر آبادی، قمر امروہوی، حافظ مظہر الدین جیسی ثقہ شخصیات کبھی کبھی باہم اکٹھی ہوتی تھیں اور شعر وادب، علم وفن کا ایک چمن چند لمحوں کے لیے مہکنے لگتا تھا۔ مجھے بھی اس محفل میں اپنی نوآموزی کے باوجود حاضری کے مواقع ملے ہیں۔ ایک بار محترم حافظ مظہر الدین کے ساتھ اسی اہلِ علم کے مرکزِ اتصال کی طرف جاتے ہوئے میں نے حافظ صاحب کو علامہ اقبالؒ کی پیامِ مشرق کے چند فارسی قطعے اور اپنا کیا ہوا ان کا منظوم اردو ترجمہ سنایا۔ وہ قطعے یہ تھے:

زرازی معنیٔ قرآں چہ پرسی — نہ پوچھ معنیٔ قرآن امامِ رازی سے
ضمیر ما با آیاتش دلیل است — ضمیر اپنا ہے خود اس کی آیتوں کی دلیل
خرد آتش فروزد دل بہ سوزد — خرد کا کام جلانا ہے کارِ دل جلنا
ہمیں تفسیر نمرود و خلیلؑ است — ہے ایک شیوہ نمرود ایک طرزِ خلیلؑ

❀❀❀

تو خورشیدی و من سیارۂ تو — خورشید ہے تو اور میں سیارہ تیرا
سراپا نورم از نظارۂ تو — تنویر کا باعث میری نظارہ تیرا
زآغوش تو دورم نا تمامم — اک تیری ہی دوری ہے مرا نقصِ کمال
تو قرآنی و من سیپارۂ تو — قرآن ہے تو اور میں سیپارہ تیرا

❀❀❀

زانجم تابہ انجم صد جہاد بود	ستاروں سے ستاروں تک جہاں تھے
خرد ہر جا کہ پر زد آسماں بود	خرد کے واسطے سب آسماں تھے
ولیکن چوں بخود نگریستم من	مگر خود پر نظر جب کی تو سمجھا
کر اِں بیکراں در من نہاں بود	کہ یہ سارے جہاں مجھ میں نہاں تھے

❁❁❁

کنشت و مسجد بت خانہ و دیر	تعمیر کی خواش میں بت خانے سے مسجد تک
جز ایں مشتِ گلے پیدا نہ کر دی	مٹی کے گھروندوں کا اِک جال بنا تو نے
ز حکم غیر نتواں جز بدل رست	اک دل ہی تو کرتا ہے آزاد غلامی سے
تو اے غافل دلے پیدا نہ کر دی	غافل مگر اک دل ہی پیدا نہ کیا تو نے

❁❁❁

چہ لذت یا رب اندر ہست و بود است	ہے کیا لذت ظہورِ زندگی میں
دل ہر ذرہ در جوش نمود است	کہ ہر ذرّے کو جس کی جستجو ہے
شگافد شاخ را چوں غنچۂ گل	وہ پھوٹی شاخ، گل نے سر ابھارا
تبسم ریزئی ذوقِ وجود است	تبسم ریزئی ذوق نمو ہے

❁❁❁

ترجمہ شدہ قطعات سننے کے بعد حافظ صاحب نے بزرگانہ شفقت کے ساتھ نصیحت کی کہ باقی سب کام چھوڑو اور اس ترجمے کے کام کو مکمل کرنے کی کوشش کرو۔ یہ خود تمھارے علم وفن میں اضافے اور کلام میں پختگی کا باعث بھی ہوگا اور ایک ملی خدمت بھی۔ لہٰذا میں نے حافظ صاحب کی اس نصیحت کو حرزِ جاں بنایا اور اس ترجمے کے کام کو اپنایا۔ ترجمے کے سلسلے میں جو طریقۂ کار میں نے اختیار کیا ہے یہ میری شعوری کوشش تھی کہ میں نے علامہ کی اختیار کردہ بحر کو ضروری نہیں سمجھا بلکہ ان کے مفہوم کو ترجمے کا محور بنا کے ترجمان کا فریضہ سرانجام دیا تاکہ اظہارِ بیان میں وسعت پیدا ہو جائے اور ترجمہ ایک ہی بحر کی پابندی سے شعری لذت سے محروم ہو کر بے لطفی کا شکار نہ ہو۔ اب اس میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کی تصدیق یا اہلِ علم وفن کریں گے یا اقبالؒ کے شیدائی قارئین۔ ترجمے کا یہ کام میں نے ۱۹۶۸ء میں مکمل کر لیا تھا مگر کچھ میرے مزاج کی بے نیازی

اور کچھ علم وفن پر اصحابِ مال وزر کی اجارہ داری اس کی اشاعت کے راستے میں حائل رہی۔ لوگ اس پر تو تیار تھے کہ میں اپنی یہ متاعِ ہنر کچھ مالی فائدہ لے کر ان کی نذر کر دوں تو یہ زیورِ طبع سے آراستہ ہو جائے گی مگر میں اس بردہ فروشی پر تیار نہ ہوا کہ تخلیقات اولاد سے بھی زیادہ پیاری ہوتی ہیں، ورنہ اس وقت کے ایک بے نام ونشاں اور میدانِ شعر وادب کے نو آموز کے لیے نام آوری کے سارے دروازے بند تھے۔ یہ تو خدا بھلا کرے اُس زمانے کے روزنامہ تعمیر کا جو راولپنڈی کا اُس وقت واحد اخبار تھا، اس کے ادبی ایڈیشنوں میں اس کا بیشتر حصہ ۲۱ راکتوبر ۱۹۶۸ء کی اشاعت سے چھپنا شروع ہوا اور چیدہ چیدہ قطعات وہاں چھپتے رہے، پھر تعمیر کا دور ختم ہو گیا تو اس ترجمہ کا بیشتر حصہ ایک طویل وقفے کے بعد روزنامہ ''نوائے وقت'' راولپنڈی نے قسط وار شروع کیا۔ جب تک ممتاز لیاقت نوائے وقت کے میگزین ایڈیٹر رہے اشاعت کا سلسلہ جاری رہا اور اس کے بعد تسلسل کے ساتھ یہ ترجمہ ماہنامہ ''عفت'' راولپنڈی میں قسط وار چھپا اور اب کتابی شکل میں آپ کے سامنے حاضر ہے۔ یہ افکارِ اقبال کی توسیع اور اردو دان طبقے تک ان کے خیالات پہنچانے کی ایک حقیری کاوش ہے۔ نہ دعویٰ علم وفن ہے نہ زعمِ حسنِ کلام ہے۔ یہ ہے مختصر سی کہانی میرے اس کام کی جو پیامِ مشرق کے قطعات کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کے لیے میں نے کیا اور اب آپ کے سامنے ہے۔ پیامِ مشرق کا باقی ترجمہ بھی غیر مطبوعہ شکل میں میرے پاس مکمل موجود ہے لیکن نظر نوازی اور طبع افروزی کے لیے یہ ''لالۂ طور'' کا حصہ مکمل صورت میں حسنِ قبول کی دعاؤں کے ساتھ کتاب کی صورت میں حاضر ہے۔

حکیم سروسہانپوری
2165 صدر، راولپنڈی
فون: 051-556347

تحسینِ سخن شناسی

''لالۂ طور'' کے عنوان سے علامہ محمد اقبالؒ کی ۱۶۳ رُباعیوں کا منظوم اردو ترجمہ حکیم سہارنپوری صاحب نے جس ہنروری کے ساتھ کیا ہے وہ آپ اپنی مثال ہے۔ آپ ان رُباعیوں کو باباطاہر عرُیاں کی دو بیتوں کے ذیل میں رکھنا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ منظوم ترجمے میں کہیں کہیں رُباعی کی بحر استعمال کی ہے اور کہیں اظہارِ مطلب کے لیے دوسرے عروضی اوزان کا بھی استعمال کیا ہے۔ ترجمے کے لیے دونوں زبانوں پر دسترس کی شرط اپنی جگہ، مگر میں دو ایک اور عناصر کو بھی بہت اہمیت دیتا ہوں اور وہ ہیں ذوقِ شعر و مذاقِ آہنگ۔ صرف زبانوں کا جاننا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اعلیٰ درجے کی تفہیم متن اور شعورِ نغمگی بھی لازم و واجب ٹھہرتے ہیں۔ مسلم دنیا کو درپیش مسائل سے حد درجے کے وابستگی اور دردمندی کے ساتھ فکری اور جمالیاتی سطح پر اس کے مسائل کا بیان اقبال کو بیسویں صدی میں جس عظیم مرتبے پر فائز کرتا ہے اس کی نظیر ہماری ادبی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مترجم کے لیے کسی حد تک اس فکر کے سرچشموں سے تخلیقی سطح کا تعلق قائم ہو سکے تو ترجمانی میں آسانی ہوتی ہے کہ ترجمہ بھی کسی سطح پر اُسی وابستگی اور دردمندی کا مطالبہ کرتا ہے جو اصل شعر کا اختصاص ہے۔ مترجم کی کامیابی کا راز اپنی دینی، تہذیبی اور فنی روایت سے وابستگی اور تخلیقی دسترس میں پنہاں ہے۔

افتخار عارف

ستارۂ امتیاز، ہلال امتیاز

صدر نشین، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان

لالۂ طور

۱

شہیدِ نازِ او بزمِ وجود است

نیاز اندر نہادِ ہست و بود است

نمی بینی کہ از مہرِ فلک تاب

بسیمائے سحر داغِ سجود است

۲

دلِ من روشن از سوزِ درون است

جہاں بینِ چشمِ من از اشکِ خون است

ز رمزِ زندگی بیگانہ تر باد

کسے کو عشق را گوید جنون است

Acc... 48189
Class N... IQBAL
Book No... 558 48189
153/153
0013316
DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY AZAMGARH U.P.

۱

شہید ناز ہے اس کی تمام بزمِ وجود
ہے اک فسانۂ حسنِ نیاز ہست و بود

طلوع مہر جہاں تاب پر نگاہ تو کر
چمک رہا ہے جبینِ سحر پہ داغِ سجود

۲

مرا دل مرکزِ سوزِ دروں ہے
مری آنکھوں میں نورِ اشکِ خون ہے

وہ بیگانہ ہیں رمزِ زندگی سے
محبت کو جو کہتے ہیں جنون ہے

۳

به باغان باد فروردین دهد عشق

به راغان غنچه چون پروین دهد عشق

شعاع مهر او قلزم شگاف است

به ماهی دیدهٔ رهبین دهد عشق

۴

عقابان را بهای کم نهد عشق

تذروان را به بازان سر دهد عشق

نگه دارد دل ما خویشتن را

ولیکن از کمینش بر جهد عشق

۵

به برگِ لاله رنگ آمیزیٔ عشق

بجانِ ما بلا انگیزیٔ عشق

اگر این خاکدان را وا شگافی

درونش بنگری خونریزیٔ عشق

۳

چمن میں خالقِ فصل بہار عشق
ہے صحرا میں گل و غنچہ نگار عشق

شعاع عشق سینہ چاکِ قلزم
برائے ماہی شمع رہگزار عشق

۴

عقابوں کو شعورِ عشق کم قیمت سمجھتا ہے
چکوروں کی یہ بازوں سے زیادہ قدر کرتا ہے

بہت حساس تھا دل بھی حفاظت کے لیے اپنی
مگر یہ عشق تو دل پر اچانک ہی جھپٹتا ہے

۵

ہے برگ لالہ رنگ آمیزیٔ عشق
ہر اک جاں میں بلا انگیزیٔ عشق

تو گر اس خاک داں کا سینہ چیرے
وہاں بھی پائے گا خون ریزیٔ عشق

۶

نہ ہر کس از محبت مایہ دار است

نہ با ہر کس محبت سازگار است

بروید لالہ با داغِ جگرتاب

دلِ لعلِ بدخشان بے شرار است

۷

دریں گلشن پریشاں مثلِ بویم

نمی دانم چہ می خواہم چہ جویم

بر آید آرزو یا بر نیاید

شہیدِ سوز و سازِ آرزویم

۸

جہاں مشتِ گل و دل حاصلِ اوست

ہمیں یک قطرۂ خوں مشکلِ اوست

نگاہِ ما دو بیں افتاد ورنہ

جہانِ ہر کسے اندر دلِ اوست

ہر ایک کہاں جنس محبت کا سزاوار
ہر ایک کہاں دردِ محبت کا خریدار

لعلِ یمنی عشق کی گرمی سے تہی دست
اور عشق سے داغِ جگر لالہ شرر بار

٧

گلشن میں مثال بو پریشاں ہوں میں
لیکن نہیں علم کس کا خواہاں ہوں میں

یہ آرزو یہ خلش بر آئے کہ نہ آئے
پر سوزشِ آرزو پہ قرباں ہوں میں

٨

جہاں اک مشتِ گل دل جس کا حاصل
یہی اک قطرۂ خوں ساری مشکل

دُئی اپنی نگاہوں میں ہے اے دوست
ہے ورنہ انتہائے دوجہاں دل

۹

سحر می گفت بلبل باغباں را
دریں گل جز نہالِ غم نگیرد
بہ پیری می رسد خارِ بیاباں
ولے گل چوں جواں گردد بمیرد

۱۰

جہانِ ما کہ نابود است بودش
زیاں تو ام ہمی زاید بسودش
کہن را نو کن و طرحِ دگر ریز
دلِ ما بر نتابد دیر و زودش

۱۱

نوائے عشق را ساز است آدم
کشاید راز و خود راز است آدم
جہاں او آفرید ایں خوب تر ساخت
مگر با ایزد انباز است آدم

۹

کہا بلبل نے اک دن باغبان سے
کہ غم گل کی محبت کا ثمر ہے

درازی عمر کی کانٹوں کی قسمت
شبابِ گل قضا کا نامہ بر ہے

۱۰

اپنی تو کائنات کا اصل وجود ہی عدم
نقص ہی نقص ہے تمام بھرئے نہ منفعت کا دم

اب کوئی انقلاب لا کوئی نظامِ نو بنا
ہو نہ سکیں گے مطمئن دہر کی اس روش سے ہم

۱۱

نوائے عشق و محبت کا ساز ہے آدم
ہے خود ہی راز کشا خود ہی راز ہے آدم

خدا بنائے نمو اور یہ فروغِ نمو
کہ دستِ معجزۂ کارساز ہے آدم

۱۲

نہ من انجام و نے آغاز جویم
ہمہ رازم جہانِ راز جویم
گر از روئے حقیقت پردہ گیرند
ہماں بوک و مگر را باز جویم

۱۳

دلا نارائی پروانہ تا کے
نگیری شیوۂ مردانہ تا کے
یکے خود را بسوزِ خویشتن سوز
طوافِ آتشِ بیگانہ تا کے

۱۴

تنے پیدا کن از مشتِ غبارے
تنے محکم تر از سنگیں حصارے
درونِ او دلِ درد آشنائے
چو جوئے در کنارِ کوہسارے

۱۲

انجام ڈھونڈتا ہوں نہ آغاز ڈھونڈتا ہوں
اک راز ہو سراپا اک راز ڈھونڈتا ہوں

فطرت یہی ہے میری کھل جائے جب حقیقت
پھر بدگمانیوں کا انداز ڈھونڈتا ہوں

۱۳

کب تک یہ مفر ہمتِ مردانہ سے اے دل
یہ پیرویٔ مسلکِ پروانہ کہاں تک

اک بار ذرا آگ میں اپنی بھی تو جل دیکھ
وارفتگیٔ آتشِ بیگانہ کہاں تک

۱۴

اس ایک مشتِ خاک سے وہ جسم پیدا کیجیے
جو سخت و پائیدار تر ہو سنگ کے حصار سے

پھر اس میں ایک قلبِ درد آشنا بنایئے
کہ جیسے کوئی چشمہ ہو کنارِ کوہسار کے

۱۵

زآب و گِل خدا خوش پیکرے ساخت
جہانے از ارم زیبا ترے ساخت
ولے ساقی بآں آتش کہ دارد
زخاکِ من جہانِ دیگرے ساخت

۱۶

بہ یزداں روزِ محشر برہمن گفت
فروغِ زندگی تابِ شرر بود
ولیکن گر زنجی با تو گویم
صنم از آدمی پائندہ تر بود

۱۷

گذشتی تیز گام اے اخترِ صبح
مگر از خوابِ ما بیزار رفتی
من از ناآگہی گم کردہ راہم
تو بیدار آمدی بیدار رفتی

۱۵

تراشے ہیں خدا نے آب و گل سے پیکرِ رنگیں
بنائی سیلِ رنگ و بو سے تصویرِ ارم دنیا

مگر اک ساقیِ آتش بجاں نے جذبِ ذاتی سے
مری اس مشتِ گل کو سوز و ساز زندگی بخشا

۱۶

بروزِ حشر خدا سے یہ برہمن نے کہا
کہ مثلِ تابِ شرر ہے فقط فروغِ حیات

خفا نہ ہو مرے مولا تو ایک بات کہوں
کہ آدمی سے زیادہ تو ہے بتوں کو ثبات

۱۷

سبک گام گزرا سحر کا ستارا
مگر خواب سے میرے بیزار گزرا

میں گم ہی رہا اپنی نا آگہی سے
تو بیدار آیا تو بیدار گزرا

۱۸

تہی از ہائے و ہو میخانہ بودے
گلِ ما از شرر بیگانہ بودے
نبودے عشق و ایں ہنگامۂ عشق
اگر دل چوں خرد فرزانہ بودے

۱۹

ترا اے تازہ پرواز آفریدند
سراپا لذتِ بال آزمائی
ہوس ما را گراں پرواز دارد
تو از ذوقِ پریدن پرکشائی

۲۰

چہ لذت یا رب اندر ہست و بود است
دلِ ہر ذرہ در جوشِ نمود است
شگافد شاخ را چوں غنچۂ گل
تبسم ریز از ذوقِ وجود است

۱۸

تہی ہر شور سے میخانہ ہوتا
یہ خاکی زیست سے بیگانہ ہوتا

نہ عشق ہوتا نہ یہ ہنگامے ہوتے
جو دل مثلِ خرد فرزانہ ہوتا

۱۹

تجھے حق نے پرِ پرواز بخشے
سراپا لذتِ پرواز تو ہے

گراں پرواز ہم اپنی ہوس سے
کہ تو ذوقِ عمل سے سرخرو ہے

۲۰

ہے کیا لذت ظہورِ زندگی میں
کہ ہر ذرے کو جس کی جستجو ہے

وہ پھوٹی شاخ، گل نے سر اُبھارا
تبسم ریزئ ذوقِ نمو ہے

۲۱

شنیدم در عدم پروانه می گفت

دمے از زندگی تاب و تبم بخش

پریشاں کن سحر خاکسترم را

ولیکن سوز و سازِ یک شبم بخش

۲۲

مسلماناں! مرا حرفے است در دل

کہ روشن تر ز جانِ جبرئیل است

نہانش دارم از آذر نہاداں

کہ ایں سِرّے ز اسرارِ خلیل است

۲۳

بہ خویش رہ سپاری اے دل اے دل!

مرا تنہا گذاری اے دل اے دل!

دمادم آرزوہا آفرینی

مگر کارے نہ داری اے دل اے دل!

۲۱

سنا میں نے عدم میں ایک پروانہ یہ کہتا تھا
مجھے بس ایک لمحہ زیست کی تابندگی دے دے

سحر دم خاک تک میری اڑا دے پھر مجھے کیا غم
مگر اک رات کامل سوز و سازِ زندگی دے دے

۲۲

مسلمانو! مرے دل میں اک ایسا راز پنہاں ہے
کہ روشن تر ہے جو روحِ لطیفِ جبرئیلی سے

میں ان آذر سرشتوں سے چھپا کر اس کو رکھتا ہوں
کہ یہ ایک رازِ سر بستہ ہے اسرارِ خلیلیؑ سے

۲۳

جب اس کوچے سے گذرا اے دل، اے دل
مجھے تنہا ہی چھوڑا اے دل، اے دل

ہجومِ آرزو ہے اور تو ہے
بتا تو نے کیا کیا؟ اے دل اے دل

۲۴

رہے در سینۂ انجم کشائی
ولے از خویشتن ناآشنائی
یکے بر خود کشا چوں دانہ چشمے
کہ از زیرِ زمیں نخلے برآئی

۲۵

سحر در شاخسارِ بوستانے
چہ خوش می گفت مرغِ نغمہ خوانے
برآور ہر چہ اندر سینہ داری
سرودے، نالۂ، آہے، فغانے

۲۶

ترا یک نکتۂ سربستہ گویم
اگر در سرِ حیات از من بگیری
بمیری گر بہ تن جانے نہ داری
وگر جانے بہ تن داری نمیری

کئے تسخیر گرچہ ماہ و انجم
مگر خود سے رہا نا آشنا ہی

کبھی اک بار خود پر بھی تو کھل جا
کہ دانے کو ملے صورت شجر کی

۲۵

لمحاتِ سحر میں یہ سرِ شاخِ گلستاں
کہتا تھا بہت خوب کوئی مرغِ خوش الحاں

جو کچھ بھی تیرے پاس ہے لا سینے سے باہر
فریاد و فغاں ہو کہ ہو نغماتِ گل افشاں

۲۶

تجھے اک رازِ سر بستہ بتاؤں
اگر مجھ سے سبق لے زندگی کا

فنا ہے تو جو جاں محتاجِ تن ہے
بقا چاہے تو اک جانِ بقا لا!

۲۷

بہل افسانۂ آں پاچراغے

حدیثِ سوزِ او آزارِ گوش است

من آں پروانہ را پروانہ دانم

کہ جانش سخت کوش و شعلہ نوش است

۲۸

ترا از خویشتن بیگانہ سازد

من آں آبِ طربناکے ندارم

ببازارم مجو دیگر متاعے

چو گل جز سینۂ صد چاکے ندارم

۲۹

زیاں بینی ز سیرِ بوستانم

اگر جانت شہیدِ جستجو نیست

نمایم آنچہ ہست اندر رگِ گل

بہارِ من طلسمِ رنگ و بو نیست

۲۷

چھوڑ بھی یہ قصۂ پروانۂ سوزش پسند
ہے حدیثِ سوز اس کی ہمنشیں آزارِ گوش

میں تو اس پروانے کو پروانہ سمجھا ہوں کہ جو
بے حقیقت ہو مگر ہو سخت جاں اور شعلہ نوش

۲۸

جو تجھ کو خود سے بیگانہ بنا دے
نہیں رکھتا میں وہ آبِ طرب ناک

مرے بازار میں کچھ اور مت ڈھونڈ
کہ میں تو پھول سا ہوں سینۂ چاک

۲۹

زیاں ہے تیرے لیے میرے گلستاں کی سیر
اگر تو واقفِ اسرار جستجو ہی نہیں

میں آشنائے رموزِ حقیقتِ گل ہوں
مری بہار فقط سحرِ رنگ و بو ہی نہیں

۳۰

برون از ورطۂ بود و عدم شو
فزون‌تر زین جہانِ کیف و کم شو
خودی تعمیر کن در پیکرِ خویش
چو ابراہیم معمارِ حرم شو

۳۱

ز مرغانِ چمن نا آشنایم
بشاخِ آشیان تنہا سرایم
اگر نازک دلی از من کران گیر
کہ خونم می‌تراود از نوایم

۳۲

جہان یا رب چہ خوش ہنگامہ دارد
ہمہ را مستِ یک پیمانہ کردی
نگہ را با نگہ آمیز دادی
دل از دل، جان ز جان بیگانہ کردی

۳۰

نکل پابندیٔ بود و عدم سے
فزوں ہو اس جہانِ کیف و کم سے

خودی تعمیر اپنی ذات میں کر
سبق لے اس کا معمارِ حرم سے

۳۱

چمن میں سب سے ہوں نا آشنا بہ فیضِ جنون
یہاں میں اپنی نوا سنجیوں میں تنہا ہوں

گراں ہے کاوشِ ہستی تو میری بات نہ سن
مری نوا سے ٹپکتا ہے میرا اپنا ہی خوں

۳۲

ترے جہاں میں ہے یا رب عجیب ہنگامہ
کہ ایک جام سے عالم تمام مستانہ

نظر نظر سے بہم آشنا تو ہے لیکن
ہے جان جاں سے الگ دل سے دل ہے بیگانہ

۳۳

سکندر با خضر خوش نکته گفت

شریکِ سوز و سازِ بحر و بر شو

تو این جنگ از کنارِ عرصه بینی

بمیر اندر نبرد و زنده تر شو

۳۴

سریر کیقباد، اکلیلِ جم خاک

کلیسا و بتستان و حرم خاک

ولیکن من ندانم گوهرم چیست

نگاهم برتر از گردون تنم خاک

۳۵

اگر در مشتِ خاکِ تو نهادند

دلِ صد پارهٔ خونناب بارے

ز ابرِ نوبهاراں گریه آموز

که از اشکِ تو روید لاله زارے

۳۳

کہا اک دل سکندر نے خضر سے
چراغِ زندگی کو روشنی دے

کھڑا کیا دیکھتا ہے جنگِ ہستی
جو زندہ ہے ثبوتِ زندگی دے

۳۴

یہ تختِ کیقاد و تاجِ جمشید
کلیسا، بتکدہ، دیر و حرم، خاک

میں اپنے جوہرِ ذاتی سے لا علم
فلک رفعت نظر ہے اور تن خاک

۳۵

ہو عطا اے کاش تیری خاک کو
اک دل صد پارہ و خوننانہ بار

سیکھ رونے کا طریقہ ابرِ گوہر بار سے
تاکہ تیرے آنسوؤں سے لہلہائیں لالہ زار

۳۶

دمادم نقشهائے تازہ ریزد

بیک صورت قرارِ زندگی نیست

اگر امروزِ تو تصویرِ دوش است

بخاکِ تو شرارِ زندگی نیست

۳۷

چو ذوقِ نغمہ ام در جلوت آرد

قیامت ہا انگنم در محفلِ خویش

چو می خواہم دمے خلوت بگیرم

جہاں را گم کنم اندر دلِ خویش

۳۸

چہ می پرسی میانِ سینہ دل چیست

خرد چوں سوز پیدا کرد دل شد

دل از ذوقِ تپش دل بود لیکن

چو یک دم از تپش افتاد گل شد

۳۶

ہر ایک لمحہ عمل کے نقوشِ تازہ بکھیر
نہیں ہے ایک ہی صورت سے زندگی کو قرار

اگر ہے تجھ کو تگ و تازِ زندگی سے گریز
نہیں ہیں خاک میں پھر تیری زندگی کے شرار

۳۷

میرا ذوقِ نغمہ جب جلوت میں لاتا ہے مجھے
حشر اک اٹھتا ہے خود اپنی ہی محفل میں ندیم

جب کہ خلوت چاہتا ہوں ایک لمحے کے لیے
کُل جہاں کو غرق کر دیتا ہوں اس دل میں ندیم

۳۸

بتا کیا پوچھتا ہے درمیان سینہ دل کیا ہے؟
کیا جب سوز پیدا آگہی نے بن گیا اک دل

ہے دل ذوقِ تپش سے دل یہی رازِ حیات اس کا
گر اِک لمحہ تپش کم ہو تو پھر دل بھی ہے مشتِ گل

۳۹

خرد گفت او بچشم اندر نگنجد
نگاهِ شوق در امید و بیم است
نمی گردد کہن افسانۂ طور
کہ در ہر دل تمنائے کلیم است

۴۰

کنشت و مسجد و بتخانہ و دیر
جز ایں مشتِ گلے پیدا نکردی
ز حکمِ غیر نتواں جز بدل رست
تو اے غافل دلے پیدا نکردی

۴۱

نہ پیوستم دریں بستانسرا دل
ز بندِ این و آں آزادہ رفتم
چو بادِ صبح گردیدم دمے چند
گلاں را آب و رنگے دادہ رفتم

کہا خرد نے وہ آنکھوں میں آ نہیں سکتا
نگاہِ شوق پہ طاری ہے یہ امید و بیم

پھر ایک بار تو افسانۂ کہن دہرا
کہ آج بھی ہے ہر دل میں آرزوئے کلیم

۴۰

تعمیر کی خواہش میں بت خانے سے مسجد تک
مٹی کے گھروندوں کا اک جال بُنا تو نے

اک دل ہی تو کرتا ہے آزاد غلامی سے
غافل مگر اک دل ہی پیدا نہ کیا تو نے

۴۱

میں ہر وابستگی سے این و آں کی بالا تر گزرا
کہ ہم آہنگ دل کب ہو سکا اس سنبل ستاں سے

نسیمِ صبح کی مانند گلگشتِ چمن کی ہے
گلوں کو رنگ و بو دیتا ہوا گزرا گلستاں سے

۴۲

بخود باز آورد رندِ کهن را
مئے برنا کہ من در جام کردم
من ایں مے چوں مغانِ دورِ پیشیں
ز چشمِ مستِ ساقی وام کردم

۴۳

سفالم را مئے او جامِ جم کرد
درونِ قطرہ ام پوشیدہ یم کرد
خرد اندر سرم بتخانہ ریخت
خلیلِ عشق دیرم را حرم کرد

۴۴

خرد زنجیریَ امروز و دوش است
پرستارِ بتانِ چشم و گوش است
صنم در آستیں پوشیدہ دارد
برہمن زادہ زنار پوش است

۴۲

جو رندانِ کہن کو بھی مقامِ معرفت بخشے
میں اپنے جام میں وہ آتشِ سیّال رکھتا ہوں

رہینِ میکدہ سمجھو نہ میرے دورِ صہبا کو
نگاہِ مست ساقی سے میں یہ اعجاز لایا ہوں

۴۳

میرے سفال کو اس نے کیا ہے ساغرِ جم
یہ میرا قطرۂ ناچیز اس کے فیض سے یم

خرد نے دل میں بسائے تھے لاکھ بتخانے
خلیلِ عشق نے دی بتکدے کو شانِ حرم

۴۴

یہ عقل تیرے واسطے زنجیرِ دوش ہے
تیرا مزاج بندگیٔ چشم و گوش ہے

بت تیری آستین میں پوشیدہ ہیں ابھی
تو برہمن نژاد ہے زنّار پوش ہے

۴۵

خرد اندر سرِ ہر کس نہادند
تنم چوں دیگراں از خاک و خون است
ولے ایں راز کس جز من ندانند
ضمیرِ خاک و خونم بیچگون است

۴۶

گدائے جلوہ رفتی بر سرِ طور
کہ جانِ تو ز خود نامحرمے ہست
قدم در جستجوئے آدمے زن
خدا ہم در تلاشِ آدمے ہست

۴۷

بگو جبریل را از من پیامے
مرا آں پیکرِ نوری نہ دادند
ولے تاب و تبِ ما خاکیاں ہیں
بنوری ذوقِ مہجوری نہ دادند

۴۵

ہر ایک فرد کو حق سے عطا ہوئی ہے خرد
ہراک وجود کا باعث خمیرِ خاک و خوں

مگر یہ راز سوا میرے کون سمجھا ہے
کہ بے مثال ہے میرا ضمیرِ خاک و خوں

۴۶

گیا تو طور پہ بن کر گدائے جلوۂ طور
کہ آپ اپنی حقیقت سے تھا تو نا محرم

اگر تلاشِ خدا ہے تو کر خود اپنی تلاش
کہ خود خدائے جہاں کی ہے آرزو آدم

۴۷

مرا پیغام دے روح الامیںؑ کو
ہے تجھ سے بڑھ کے میری خاک کی دھوم

میں خاکی ذوقِ مہجوری سے تاباں
تو نوری ذوقِ مہجوری سے محروم

۴۸

ہمائے علم تا افتد بدامت
یقیں کم کن، گرفتارِ شکے باش
عمل خواہی؟ یقیں را پختہ تر کن
یکے جوئے و یکے بین و یکے باش

۴۹

خرد بر چہرۂ تو پردہ ہا بافت
نگاہے تشنۂ دیدار دارم
درافتد ہر زماں اندیشہ با شوق
چہ آشوبے فگنی در جانِ زارم!

۵۰

دلت می لرزد از اندیشۂ مرگ
ز بیمش زرد مانندِ زریری
بخود باز آ خودی را پختہ تر گیر
اگر گیری، پس از مردن نمیری

۴۸

اگر چاہت نگارِ علم کی ہے
یقیں کم کر گرفتارِ گماں ہو

عمل چاہے یقین کو پختہ تر کر
ہم آہنگ سرودِ جسم و جاں ہو

۴۹

ترے رخ پر خرد نے پردے ڈالے
نگاہیں تشنۂ دیدار ہیں دوست

نقابِ رخ اٹھا، آ بے حجاب آ
یہ پردے روح کا آزار ہیں دوست

۵۰

ہے لرزاں دل ترا خوفِ اجل سے
یہ اندیشہ ترا آزارِ جاں ہے

نکل خود سے خودی کو پختہ تر کر
یہی رازِ حیات جاوداں ہے

۵۱

زپیوندِ تن و جانم چہ پرسی
بدامِ چند و چوں در می نیایم
دمِ آشفتہ ام در پیچ و تابم
چو از آغوشِ نَے خیزم نوایم

۵۲

مرا فرمود پیرِ نکتہ دانے
ہر امروزِ تو از فردا پیام است
دل از خوبانِ بے پروا نگہدار
حریمش جز باو دادن حرام است

۵۳

ز رازی معنیٔ قرآں چہ پرسی
ضمیرِ ما بآیاتش دلیل است
خرد آتش فروزد، دل بسوزد
ہمیں تفسیرِ نمرود و خلیل است

۵۱

وصالِ جسم و جاں کیا پوچھتا ہے
خرد کی دسترس سے ماورا ہوں

اک آشفتہ نفس ہوں گو بظاہر
مگر آغوش نے میں نغمہ زا ہوں

۵۲

کہا یہ عالمِ نکتہ شناس نے مجھ سے
کہ تیرا آج ہے ہر آنے والے کل کا پیام

حریمِ دل کو بچا لے نگاہِ خوباں سے
کہ یہ حریمِ الٰہی ہے ما سوا پہ حرام

۵۳

نہ پوچھ معنیٔ قرآں امامِ رازیؒ سے
ضمیر اپنا ہے خود اس کی آیتوں کی دلیل

خرد کا کام جلانا ہے، کارِ دل جلنا
ہے ایک شیوۂ نمرود، ایک طرزِ خلیلؑ

۵۴

من از بود و نبودِ خود خموشم
اگر گویم که هستم خود پرستم
ولیکن این نوائے سادہ کیست
کسے در سینہ می گوید کہ ہستم

۵۵

زمن با شاعرِ رنگین بیاں گوے
چہ سود از سوز اگر چوں لالہ سوزی
نہ خود را می گدازی از آتشِ خویش
نہ شامِ درد مندے بر فروزی

۵۶

ز خوب و زشتِ تو نا آشنایم
عیارش کردۂ سود و زیاں را
دریں محفل ز من تنہا ترے نیست
بچشمِ دیگرے بینم جہاں را

۵۴

میں چپ ہوں اپنے وجود و عدم کے بارے میں
ہے خود پرستی اگر اعترافِ جاں کر لو

مگر الٰہی یہ آوازِ سادہ کیسی ہے
یہ کہہ رہا ہے کوئی سینہ میں کہ ہاں! میں ہوں

۵۵

یہ بات شاعرِ رنگیں بیاں سے کہہ دیجیے
کسی کو کیا تو اگر مثلِ لالہ سوزاں ہے

نہ تیری آگ تجھی کو گداز بخش سکی
نہ تیری لَو سے شبِ درمند تاباں ہے

۵۶

میں بیگانہ تری نیکی بدی سے
کہے معیار جو سود و زیاں کو

میں اس محفل میں تنہا ہوں کہ میں نے
کچھ اور انداز سے دیکھا جہاں کو

۵۷

تو اے شیخِ حرم شاید ندانی
جہانِ عشق را ہم محشرے ہست
گناہ و نامہ و میزاں ندارد
نہ او را مسلمے نے کافرے ہست

۵۸

چو تاب از خود بگیرد قطرۂ آب
میانِ صد گہر یک دانہ گردد
بہ بزمِ ہمنوایاں آنچنان زی
کہ گلشن بر تو خلوت خانہ گردد

۵۹

من اے دانشوراں در پیچ و تابم
خرد را فہمِ ایں معنی محال است
چساں در مشتِ خاکے تن زنم دل
کہ دل دشتِ غزالانِ خیال است!

۵۷

تو اے شیخِ حرم شائد نہ سمجھے
جہانِ عشق بھی ہے حشر ساماں

گناہ و نامہ و میزاں نہیں ہے
یہاں ہیں ایک کافر اور مسلماں

۵۸

میسر جوہر ذاتی کو گر خلوت نشینی ہو
تو اک پانی کا قطرہ گوہرِ یک دانہ ہو جائے

بسر کر محفل احباب میں یوں زندگی اپنی
کہ تیرے واسطے گلشن بھی خلوت خانہ ہو جائے

۵۹

مرا ہر اہلِ نظر سے سوال ہے اے دوست
خرد کا دل کو سمجھنا محال ہے اے دوست

وہ جس سے خاک کے ذروں میں زندگی کا ظہور
وہ دل کہ دشتِ غزالِ خیال ہے اے دوست

۶۰

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا
نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش در آویز
حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

۶۱

سراپا معنیٔ سربستہ ام من
نگاہِ حرف با فاں برنتابم
نہ مختارم تواں گفتن نہ مجبور
کہ خاکِ زندہ ام در انقلابم

۶۲

مگو از مدعائے زندگانی
ترا بر شیوہ ہائے او نگہ نیست
من از ذوقِ سفر آنگونہ مستم
کہ منزل پیشِ من جز سنگِ رہ نیست

۶۰

سکوں کے واسطے ساحل پہ تو نہ جا کہ وہاں
نوائے زیست بڑی نرم خیز ہے اے دوست

حیات چاہیے تو ہمراہِ موجِ دریا رہ
کہ نکتہ رازِ بقا کا ستیز ہے اے دوست

۶۱

سراپا معنیِ سر بستہ پیچ و تاب میں ہوں
نگاہِ اہلِ خرد کے لیے حجاب میں ہوں

بتاؤں کیا کہ نہ مختار ہوں نہ ہوں مجبور
کہ خاکِ زندہ ہوں ہر لمحہ انقلاب میں ہوں

۶۲

نہ چھیڑ تذکرۂ مقصدِ حیات کہ دوست
مزاجِ زیست سے واقف نہیں ہے تیرا دل

میں مست ذوقِ سفر ہوں مزاج دانِ حیات
مری نظر میں تو اک سنگِ راہ ہے منزل

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY AZAMGARH U.P.

۶۳

اگر کردی نگہ بر پارۂ سنگ
ز فیضِ آرزوئے تو گہر شد

بزر خود را مسنج اے بندۂ زر
کہ زر از گوشۂ چشمِ تو زر شد

۶۴

وفا نا آشنا بیگانہ خو بود
نگاہش بیقرار از جستجو بود

چو دیدا و را پرید از سینۂ من
ندانستم کہ دست آموزِ او بود

۶۵

مپرس از عشق و از نیرنگیِ عشق
بہر رنگے کہ خواہی سر بر آرد

درونِ سینہ بیش از نقطۂ نیست
چو آید بر زباں پایاں ندارد

۶۳

نظر پتھر کے ٹکڑے پر اگر کی
اسے گوہر کیا سوز جگرِ سے

نہ خود کو تول تو میزانِ زر میں
کہ زر کی قدر ہے تری نظر سے

۶۴

یہ دل اس اک نظر کی جستجو میں بے قرار تھا
یہ میرا دوست میرے واسطے جفا شعار تھا

نظر کی زد میں آ کے دل کا سینہ میں نشاں کہاں
خبر نہ تھی یہ میرا ہمنشیں نظر شکار تھا

۶۵

مت پوچھ کے کیا عشق ہے کیا عشق کے نیرنگ
ہے جلوہ فگن عشق بہر رنگ و بہرحال

ہو دل میں تو اک نقطۂ پر کار سمجھے
آ جائے زباں پر تو ہے تفصیل بھی اجمال

۶۶

مشو اے غنچۂ نورستہ دلگیر
ازیں بستاں سرا دیگر چہ خواہی
لبِ جو، بزمِ گل، مرغِ چمن سیر
صبا، شبنم، نوائے صبحگاہی

۶۷

مرا روزے گلِ افسردۂ گفت
نمودِ ما چو پروازِ شرار است
دلم بر محنتِ نقش آفریں سوخت
کہ نقشِ کلکِ او ناپایدار است

۶۸

جہانِ ما کہ پایانے ندارد
چو ماہی در یمِ ایام غرق است
یکے بر دل نظر وا کن کہ بینی
یمِ ایام در یک جام غرق است

۶۶

نہ ہو اے غنچۂ نوخیز غمگین
چمن سے اور تو کیا چاہتا ہے

پرندے ہیں لبِ جو بزمِ گل ہے
سحر خیزی ہے، شبنم ہے صبا ہے

۶۷

فسردہ پھول نے ایک روز مجھ سے ذکر کیا
کہ مثلِ تابِ شرر ہے مری نمو کا کمال

تو دل پہ محنتِ نقش آفریں سے چوٹ لگی
کہ لازوال مصور کا نقش اور زوال!

۶۸

جس دہر کی وسعت پہ تو حیران ہے اے دوست
مچھلی کی طرح وہ یمِ ایام میں ہے غرق

اک بار ذرا غور سے پیمانۂ دل دیکھ
گویا یمِ ایام بھی اک جام میں ہے غرق

۶۹

بمرغانِ چمن ہمداستانم
زبانِ غنچہ ہائے بے زبانم
چو میرم با صبا خاکم بیامیز
کہ جز طوفِ گلاں کارے ندانم

۷۰

نمایدآنچہ ہست ایں وادیٔ گل؟
درونِ لالۂ آتش بجاں چیست؟
بچشمِ ما چمن یک موجِ رنگ است
کہ می داند بچشمِ بلبلاں چیست؟

۷۱

تو خورشیدی و من سیارۂ تو
سراپا نورم از نظارۂ تو
ز آغوشِ تو دورم ناتمامم
تو قرآنی و من سیپارۂ تو

چمن والوں کا میں ہم داستاں ہوں
زبانِ غنچہ ہائے بے زباں ہوں

صبا کی نذر ہو یا رب مری خاک
کہ میں وقفِ طوافِ گلستاں ہوں

۷۰

نہ جانے سینۂ لالہ میں کیا ہے
یہ کیسی وادیٔ گل کی فضا ہے

چمن اک موجِ رنگ اپنی نظر میں
نہ جانے دیدۂ بلبل میں کیا ہے

۷۱

خورشید ہے تو اور میں سیّارہ ترا
تنویر کا باعث مری نظّارہ ترا

اک تیری ہی دوری ہے مرا نقص کمال
قرآن ہے تو اور میں سیپارہ ترا

۲

خیالِ او درونِ دیدہ خوشتر
غمش افسردہ جاں کاہیدہ خوشتر
مرا صاحبدلے این نکتہ آموخت
زمنزل جادۂ پیچیدہ خوشتر

۳

دماغم کافرِ زنّار دار است
بتاں را بندہ و پروردگار است
دلم رابیں کہ نالد از غمِ عشق
ترا با دین و آئینم چہ کار است

۴

صنوبر بندۂ آزادۂ او
فروغِ روئے گل از بادۂ او
حریمش آفتاب و ماہ و انجم
دلِ آدم درِ نکشادۂ او

۷۲

دل میں خیال اس کا اگر ہے تو خوب ہے
غم اس کا لازوال اگر ہے تو خوب ہے

اک اہل دل نے ذکر پہ منزل کے یوں کیا
راہِ سفر محال اگر ہے تو خوب ہے

۷۳

میرا دماغ کافرِ زنّار دار بھی
بت گر بھی، بت پرست بھی، بت پرنثار بھی

میری روش سے کام نہ رکھ ہو سکے تو دیکھ
سوز الم سے دل ہے مرا شعلہ بار بھی

۷۴

صنوبر بندۂ آزاد اس کا
فروغِ گل ہے اس کی مے سے کامل

مظاہر اس کے مہر و ماہ و انجم
درِ سر بستہ ہے اس کا مگر دل

ز انجم تا بہ انجم صید جہاں بود
خرد ہر جا کہ پرزد آسماں بود
ولیکن چوں بخود نگریستم من
کرانِ بیکراں در من نہاں بود

۷۶

بپائے خود مزن زنجیرِ تقدیر
تہِ ایں گنبدِ گرداں رہے ہست
اگر باور نداری، خیز و دریاب
کہ چوں پا واکنی جولانگہے ہست

دلِ من در طلسمِ خود اسیر است
جہاں از پرتوِ او تابگیر است
مپرس از صبح و شامم زآفتابے
کہ پیشِ روزگارِ من پیر است

۷۵

ستاروں سے ستاروں تک جہاں تھے
خرد کے واسطے سب آسماں تھے

مگر خود پر نظر جب کی تو سمجھا
کہ یہ سارے جہاں مجھ میں نہاں تھے

۷۶

نہ ڈال اب پاؤں میں قسمت کی زنجیر
کہ زیرِ آسماں اک راہ بھی ہے

اگر شک ہے تو اٹھ ڈھونڈ اور پاجا
جو ہمت ہو تو جولاں گاہ بھی ہے

۷۷

دل اپنے جال میں الجھا ہوا ہے
ہے خود دنیا کی یہ تابِ یگانہ

سمجھ اصلِ حقیقت روز و شب کی
کہ ہے یہ آج بھی گزرا زمانہ

نوا در ساز جاں از زخمۂ تو

چساں در جانی و از جاں بُرونی؟

چراغم، با تو سوزم بے تو میرم

تو اے بیچون مِن بے من چگونی؟

نفس آشفتہ موجے ازیمِ اوست

نئے ما نغمہ ما از دمِ اوست

لبِ جوئے ابد چوں سبزہ رُستیم

رگِ ما ریشۂ ما از نمِ اوست

ترا دردِ کی در سینہ پیچید

جہانِ رنگ و بو را آفریدی

دگر از عشقِ بیباکم چہ رنجی

کہ خود ایں ہائے و ہو را آفریدی

۷۸

ہے صدائے سازِ جاں بھی تری جنبش نظر سے
میری جاں میں بس کے بھی تو مری روح سے جدا سا

تری دوری سے میں فانی! ترا قرب سوزِ جانی
میں ترے بغیر یہ ہوں! تو مرے بغیر کیسا

۷۹

ہے یہ سانس موجِ مضطر اسی بحرِ بیکراں کا
مرے ساز اور نغموں کا وجود اس کے دم سے

ہوں مثالِ سبزہ گویا میں ابد کے گلستاں کا
رگ و ریشہ میں ہے میرے یہ نمو اسی کے نم سے

۸۰

ترا جوشِ نمو ہے کار فرما
یہی رازِ جہانِ رنگ و بو ہے

گلہ کیا عشق کی بیباکیوں کا
کہ جب تو خود بنائے ہاؤ ھو ہے

۸۱

کراجوئی، چرا در پیچ و تابی؟
که او پیداست تو زیرِ نقابی
تلاشِ او کنی جز خود نه بینی
تلاشِ خود کنی جز او نیابی

۸۲

تو اے کودک منش خود را ادب کن
مسلماں زادۂ ترکِ نسب کن
برنگِ احمر و خون و رگ و پوست
عرب نازد اگر ترکِ عرب کن

۸۳

نه افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیزِ رنگ و بو بر ما حرام است
که ما پروردۂ یک نو بهاریم

۸۱

تو کس کو ڈھونڈتا ہے کیوں اضطراب میں ہے
ظاہر ہے وہ تو ناداں تو ہی نقاب میں ہے

اس کی طلب سے پہلے خود کو تلاش کر لے
ظاہر وجود اس کا تیرے حجاب میں ہے

۸۲

تو اے نادان اپنا ہی ادب کر
مسلمان زادہ ہے؟ ترکِ نسب کر

جو رنگ و نسل پر نازاں عرب ہو
تو لازم ہے تجھے ترکِ عرب کر

۸۳

ترک و تتار کچھ نہیں ہم کو وطن سے واسطہ
رونقِ گلستاں ہیں ہم رشتۂ شاخسار سے

ہم پہ تمیزِ رنگ و بو دوست حرام ہے کہ ہم
پالے ہوئے ہیں ایک ہی موسمِ نو بہار کے

۸۴

نہاں در سینۂ ما عالمے ہست
بخاکِ ما دلے، در دل غمے ہست
ازاں صہبا کہ جانِ ما برافروخت
ہنوز اندر سبوئے ما نمے ہست

۸۵

دلِ من! اے دلِ من!! اے دلِ من!!!
یمِ من، کشتیِ من، ساحلِ من!
چو شبنم بر سرِ خاکم چکیدی؟
و یا چوں غنچہ رستی از گلِ من؟

۸۶

چہ گویم نکتہ زشت و نکو چیست
زباں لرزد کہ معنی بیقرار است
بروں از شاخ بینی خار و گل را
درونِ او نہ گل پیدا نہ خار است

۸۴

نہاں سینے میں اپنے ایک عالم
ہماری خاک میں دل دل میں ہے غم

وہ جس صہبا نے جاں کو سوز بخشا
ابھی اس سے ہمارے جام ہیں نم

۸۵

اے دل مرے دل اے مرے ارمانوں کے محمل
اے میرے سفینے، مرے دریا، مرے ساحل

مٹی پہ مری ٹپکا ہے تو اوس کی صورت
یا خاک میں میری تو کھلا پھول ہے اے دل؟

۸۶

نیکی بدی کا راز کہوں بھی تو کیا کہوں
کانپے ہے دل کہ معنی بڑے پیچیدار ہیں

شاخوں پہ یوں تو پھول بھی ہیں اور خار بھی
لیکن دورنِ شاخ نہ گل ہیں نہ خار ہیں

۸۸

کسے کو دردِ پنہانے ندارد

تنے دارد ولے جانے ندارد

اگر جانے ہوس داری طلب کن

تب و تابے کہ پایانے ندارد

۸۸

چہ پرسی از کجائیم چیستم من

بخود ہم پیدہ ام تا زیستم من

دریں دریا چو موجِ بیقرارم

اگر بر خود نہ پیچم نیستم من

۸۹

بچندیں جلوہ در زیرِ نقابی

نگاہِ شوقِ ما را برنتابی

دوی در خونِ ما چوں مستیٔ مے

ولے بیگانہ خوئی، دیریابی

۸۷

دل میں جس کے نہیں غمِ پنہاں
ایک تن ہے! مگر تنِ بے جاں

جان چاہے، تو پھر خدا سے مانگ
اک تب و تاب جو ہو بے پایاں

۸۸

کیا پوچھتا ہے مجھ سے کہ میں کیا ہوں کہاں ہوں
اک عمر سے آشفتہ و سرگرداں رواں ہوں

بیتاب ہوں موجوں کی طرح بحرِ جہاں میں
اک لمحہ جو ساکن ہوں تو زندہ ہی کہاں ہوں

۸۹

تو پردے میں سہی لیکن تری ہی جلوہ باری ہے
تجھے دیکھے نگاہِ شوق کب یہ تاب رکھتی ہے

مثالِ مستیِ مے ہے ہمارے خون میں شامل
مگر یہ قرب دوری ہے! نہ ملنا بے نیازی ہے

۹۰

دل از منزل تہی کن پردہ دار
نگہ را پاک مثلِ مہر و مہ دار
متاعِ عقل و دین ما دیگراں بخش
غمِ عشق ار بدست افتد نگہ دار

۹۱

بیا اے عشق، اے رمزِ دلِ ما
بیا اے کشتِ ما، اے حاصلِ ما
کہن گشتند ایں خاکی نہادان
دگر آدم بنا کن از گلِ ما

۹۲

سخن درد و غم آرد، درد و غم بہ
مرا ایں نالہ ہائے دمبدم بہ
سکندر را ز عیشِ من خبر نیست
نوائے دلکشے از ملکِ جم بہ

۹۰

نہ لا دل میں خیالِ فکرِ منزل
نظر کو پاک مثلِ مہر و مہ رکھ

متاعِ عقل و دیں دے دوسروں کو
غمِ عشقِ حقیقی پر نظر رکھ

۹۱

آ، رازِ دلِ مضطر، آ عشقِ جہاں آرا
اے کشتِ تمنا آ، اے کشت کے حاصل آ

فرسودہ ہوئی دنیا! فرسودہ ہوا آدم
تخلیق نیا آدم اس خاک سے پھر فرما

۹۲

سخن ہے باعثِ غم میری کائنات ہی غم
میرے لیے میرے نالے کہ ہیں یہی مرا زر

سمجھ سکا نہ سکندر مری خوشی کے رموز
کہ اک نوائے حسین ملک جم سے ہے بہتر

۹۳

نہ من بر مرکبِ ختلی سوارم
نہ از وابستگانِ شہریارم
مرا اے ہمنشیں دولت ہمیں بس
چو کاوم سینہ را لعلے برآرم

۹۴

کمالِ زندگی خواہی؟ بیاموز
کشادن چشم و جز بر خود نہ بستن
فرو بردن جہاں را چوں دمِ آب
طلسمِ زیر و بالا در شکستن

۹۵

تو می گوئی کہ آدم خاک زاد است
اسیرِ عالمِ کون و فساد است
ولے فطرت ز اعجازے کہ دارد
بنائے بحر بر جوشش نہاد است

۹۳

میں کوئی شاہ ہوں نہ کوئی شہ سوار ہوں
ہاں! میں نہ بندگانِ درِ شہر یار ہوں

دولت یہی بہت ہے مرے واسطے کہ میں
فکر و سخن کی کانِ جواہر نگار ہوں

۹۴

یہی رازِ کمال زندگی ہے
سمجھ خود کو بھی اے محوِ تماشا

سکوں نا آشنا ہو مثلِ طوفان
طلسمِ زیر و بالا توڑ تاجا

۹۵

تیرا خیال ہے کہ یہ آدم یہ خاک زاد
اب تک اسیرِ عالم کون و فساد ہے

فطرت کا ہو سکے تو یہ اعجاز بھی تو دیکھ
بنیادِ کائنات یہی خاک زاد ہے

٩٦

دلِ بیباک را ضرغام رنگ است
دلِ ترسندہ را آہو پلنگ است
اگر بیمے نداری بحر صحرا است
اگر ترسی بہر موجش نہنگ است

٩٧

ندانم بادہ ام یا ساغرم من
گہر در دامنم یا گوہرم من
چنان بینم چو بر دل دیدہ بندم
کہ جانم دیگر است و دیگرم من

٩٨

تو گوئی طائرِ ما زیرِ دام است
پریدن بر پر و بالش حرام است
ز تن برجستہ تر شد معنیٔ جاں
فسانِ خنجرِ ما از نیام است

۹۶

بے باک ہے جو دل تو سمجھ شیر کو بھی بھیڑ
خائف ہو دل اگر تو ہرن بھی ہے اک پلنگ

بے خوف ہو جو دل تو سمندر ہے موجِ ریگ
دل میں اگر ہو خوف تو ہر موج ہے نہنگ

۹۷

نہیں معلوم صہبا ہوں کہ ساغر
گہر مجھ میں ہیں یا میں خود ہوں گوہر

نظر جب دل پہ کی میں نے تو سمجھا
کہ میری جاں ہے دیگر میں ہوں دیگر

۹۸

کہتا ہے تو ہماری روح طائرِ زیرِ دام ہے
یعنی کہ بال و پر تو ہیں اُڑنا مگر حرام ہے

ہاں یہی قیدِ جسم ہے معنیٔ جاں کی روشنی
خنجرِ آب دار کی اصلِ بقا نیلام ہے

۹۹

چساں زاید تمنا در دلِ ما؟
چساں سوزد چراغ منزلِ ما؟
بچشمِ ما کہ می بیند؟ چہ بیند؟
چساں گنجید دل اندر گلِ ما؟

۱۰۰

چو در جنّت خرامیدم پس از مرگ
بچشمم این زمین و آسمان بود
شکے با جانِ حیرانم در آویخت
جہان بود آں کہ تصویرِ جہاں بود

۱۰۱

جہانِ ما کہ جز انگارۂ نیست
اسیرِ انقلابِ صبح و شام است
زسوہانِ قضا ہموار گردد
ہنوز ایں پیکرِ گل ناتمام است

یہ کیسی تمنا ہے ہمارے دل میں؟
یہ کیسے دیئے جلتے ہیں اس منزل میں

اس مسئلہ میں آج بھی الجھی ہے نگاہ
دل کیسے سما گیا ہماری گلِ میں؟

۱۰۰

تھا بعدِ مرگ جنت میں خراماں
خیال آیا وہاں ارض و سمآء کا

دلِ حیران میں آیا ایک شک سا
جہاں تھا وہ کہ تصویرِ جہاں تھا؟

۱۰۱

ابھی وجودِ کائنات کیا ہے نقشِ خام ہے
ابھی تو یہ اسیرِ انقلابِ صبح و شام ہے

یہ نکتہ حل ہوا غمِ قضا و فکرِ زیست سے
کہ یہ وجودِ آب و گلِ ابھی تو نا تمام ہے

۱۰۲

چساں اے آفتابِ آسماں گرد
بایں دوری بچشمِ من در آئی؟
بخاکی واصل و از خاکداں دور!
تو اے مژگاں گسل آخر کجائی؟

۱۰۳

تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش
براہِ دیگراں رفتن عذاب است
گر از دستِ تو کارِ ناد آید
گناہے ہم اگر باشد ثواب است

۱۰۴

بمنزل رہروِ دل در نسازد
بآب و آتش و گل در نسازد
نہ پنداری کہ در تن آرمیدہ است
کہ ایں دریا بساحل در نسازد

۱۰۲

اک طرف رفعت نشینِ آسماں ہے آفتاب
اک طرف نورِ نگاہِ دیدۂ پستی بھی ہے

ہے کہاں آخر بتا تو اے جمالِ چشم سوز
خاکداں سے دور بھی ہے واصلِ خاکی بھی ہے

۱۰۳

راہیں نئی نکال تو عزمِ صمیم سے
تقلیدِ غیر بنتی ہے اکثر عذابِ جاں

سرزد ہو تجھ سے کارِ نمایاں کوئی اگر
ہے پھر ثواب رنگ گناہوں کی داستاں

۱۰۴

کہیں بھی رہروِ دل ساکنِ منزل نہیں ہوتا
کسی صورت اسیرِ دامِ آب و گل نہیں ہوتا

یہ دیوانہ شبستانِ بدن میں بھی نہیں ساکن
یہ وہ دریا ہے جو آسودۂ ساحل نہیں ہوتا

۱۰۵

بیا با شاہدِ فطرت نظر باز
چرا در گوشۂ خلوت گزینی
ترا حق داد چشمِ پاک بینے
کہ از نورش نگاہے آفرینی

۱۰۶

میانِ آب و گل خلوت گزیدم
ز افلاطون و فارابی بریدم
نکردم از کسے دریوزۂ چشم
جہاں را جز بچشمِ خود ندیدم

۱۰۷

ز آغازِ خودی کس را خبر نیست
خودی در حلقۂ شام و سحر نیست
ز خضر ایں نکتۂ نادر شنیدم
کہ بحر از موجِ خود دیرینہ تر نیست

۱۰۵

کب تک تو رہے گا غم تنہائی کا خوگر
خلوت سے نکل شاہدِ فطرت پہ نظر کر

تو نورِ الٰہی سے انھیں اور جلا دے
بخشے جو خدا نے تجھے بینائی کے گوہر

۱۰۶

واقف ہوں زمانے کے ہر اک زیر و زبر سے
آزاد ہوں تقلیدِ فلاطون کے اثر سے

صد شکر کہ خوگر نہیں در یوزہ گری کا
دنیا کو فقط دیکھتا ہوں اپنی نظر سے

۱۰۷

آغاز کی خودی کے کسی کو خبر نہیں
یہ تو اسیرِ حلقۂ شام و سحر نہیں

میں نے سنا ہے خضر سے یہ نکتۂ حیات
ہاں! بحر موجِ بحر سے دیرینہ تر نہیں

۱۰۸

دلا رمزِ حیات از غنچه دریاب
حقیقت در مجازش بی حجاب است
ز خاکِ تیره می روید و لیکن
نگاهش بر شعاعِ آفتاب است

۱۰۹

فروغِ او به بزمِ باغ و راغ است
گل از صهبائے او روشن ایاغ است
شبِ کس در جهان تاریک نگذاشت
که در هر دل ز داغِ او چراغ است

۱۱۰

ز خاکِ نرگستان غنچه رست
که خواب از چشمِ او شبنم فروشست
خودی از بیخودی آمد پدیدار
جهان دریافت آخر آنچه می جست

۱۰۸

اے دل زبانِ غنچہ سے درسِ حیات لے
کیفیت اس مجاز میں سب بے حجاب ہے

ہر غنچہ لے رہا ہے اسی خاک سے جنم
لیکن نگاہ اس کی سوئے آفتاب ہے

۱۰۹

اسی کے فیض سے یہ باغ و راغ روشن ہیں
اسی کی مے سے گلوں کے ایاغ روشن ہیں

کوئی بھی تیرہ شبی کا شکار ہو نہ سکا
کہ اس کے داغ سے دل کے چراغ روشن ہیں

۱۱۰

جب نرگسی چمن سے غنچے نے سر اُبھارا
خوابیدہ انکھڑیوں کو شبنم نے آ کے دھویا

کیفیتِ خودی بھی ممنون بے خودی ہے
یہ آنے والا آخر کیا ڈھونڈے کو آیا

۱۱۱

جہاں کز خود ندارد دستگاہے
بکوئے آرزومی جست راہے
ز آغوشِ عدم دزدیدہ بگریخت
گرفت اندر دلِ آدم پناہے

۱۱۲

دلِ من رازدانِ جسم و جان است
نہ پنداری اجل بر من گران است
چہ غم گر یک جہاں گم شد ز چشمم
ہنوز اندر ضمیرم صد جہان است

۱۱۳

گلِ رعنا چو من در مشکلے ہست
گرفتارِ طلسمِ محفلے ہست
زبانِ برگِ او گویا نکردند
ولے در سینۂ چاکش دلے ہست

۱۱۱

حسنِ ظہور کے لے ملتی نہ تھی کہیں پناہ
ڈھونڈ رہا تھا یہ جہاں کوچۂ آرزو میں راہ

نکلا عدم سے چھپ کے جب شہرِ وجود کی طرف
اپنی بقا کے واسطے قلبِ بشر میں لی پناہ

۱۱۲

مرا دل رازدارِ جسم و جاں ہے
اجل کی فکر کب مجھ پر گراں ہے
اس اک دنیا کے کھو جانے کا غم کیا
کہ دل میں سو جہانوں کا جہاں ہے

۱۱۳

ہر ایک پھول یہاں مبتلائے مشکل ہے
کہ میری طرح اسیرِ طلسمِ محفل ہے

زبانِ برگ ہے محرومِ لطیفِ گویائی
مگر وہ سینۂ صد چاک حاملِ دل ہے

۱۱۴

مزاجِ لالۂ خود روشناسم
بشاخ اندر گلاں را بوشناسم
ازاں دارد مرا مرغِ چمن دوست
مقامِ نغمہ ہائے اوشناسم

۱۱۵

جہاں یک نغمہ زارِ آرزوئے
بم و زیرش ز تارِ آرزوئے
بچشمم ہر چہ ہست و بود و باشد
دمے از روزگارِ آرزوئے

۱۱۶

دلِ من بے قرارِ آرزوئے
درونِ سینۂ من ہائے و ہوئے
سخن اے ہمنشیں از من چہ خواہی
کہ من با خویش دارم گفتگوئے

۱۱۴

مزاجِ لالۂ خود رو سے آشنا ہوں میں
شگفتِ گل کی حقیقت کو جانتا ہوں میں

اسی لیے تو ہے مرغِ چمن رفیق مرا
کہ اس کا رتبۂ نغمات آشنا ہوں میں

۱۱۵

جہاں اک نغمہ زارِ آرزو ہے
یہ زیر و بم کہ تارِ آرزو ہے

طلسماتِ جہانِ رنگ و بو کی
حقیقت روزگارِ آرزو ہے

۱۱۶

مرا دل بیقرارِ آرزو ہے
مرے سینہ میں شورِ ہاؤ ھو ہے

نہ رکھ مجھ سے توقع نغمگی کی
کہ میری صرف خود سے گفتگو ہے

۱۱۷

دوامِ ما ز سوزِ ناتمام است

چو ماہی جز تپش بر ما حرام است

مجو ساحل کہ در آغوشِ ساحل

تپیدن یک دم و مرگِ دوام است

۱۱۸

مرنج از برہمن اے واعظِ شہر

گر از ما سجدۂ پیشِ بتاں خواست

خدائے ما کہ خود صورتگری کرد

بتے را سجدۂ از قدسیاں خواست

۱۱۹

حکیماں گرچہ صد پیکر شکستند

مقیمِ سومناتِ بود و ہستند

چساں افرشتہ و یزداں بگیرند

ہنوز آدم بفتراکے نہ بستند

۱۱۷

ہے رازِ ہستیِ جاوید سوزِ نا تمام اے دل
کہ ماہی کی طرح بے سوزی ہے ہم پر حرام اے دل

نہ جا ساحل پہ سوزِ آرزوئے زندگی لے کر
مالِ بیقراری ہے وہاں مرگِ دوام اے دل

۱۱۸

نہ ہو ناراض طرزِ برہمن سے تو بھی اے واعظ
اگر وہ ہم سے خواہشمند ہے بت کی پرستش کا

ہے خود شاہد خدا کی بت گری و بت نوازی پر
بت آدم کو سجدہ قدسیانِ پاک طینت کا

۱۱۹

یہ صاحبانِ عقل و ہوش لاکھ بت شکن سہی
مگر مقیمِ سومناتِ بود و ہست ہیں ابھی

بھلا فرشتہ و خدا کو کیا سمجھ سکیں گے یہ
کہ جن سے آدمی نہ زیرِ دام ہو سکا کبھی

۱۲۰

جہاں ہا رویدا ز مشتِ گلِ من
بیا سرمایہ گیر از حاصلِ من
غلط کردی رہِ سر منزلِ دوست
دمے گم شو بصحرائے دلِ من

۱۲۱

ہزاران سال با فطرت نشستم
باو پیوستم و از خود گسستم
ولیکن سرگذشتم این دو حرف است
تراشیدم، پرستیدم، شکستم

۱۲۲

بہ پہنائے ازل پر می کشودم
ز بندِ آب و گل بیگانہ بودم
بچشمِ تو بہائے من بلند است
کہ آوردی ببازارِ وجودم

۱۲۰

سبق لے مجھ سے اے بیگانۂ ذات
کہ ہر عالم ہے میری مشتِ گل میں

بھلا دی تو نے راہَ منزلِ دوست
تلاشِ راہ کر صحرائے دل میں

۱۲۱

رہا میں ہمنش فطرت کا برسوں
مٹا کر خود کو اس سے رشتہ جوڑا

مگر بس حاصلِ افسانہ یہ ہے
بنایا خود ہی پوجا خود ہی توڑا

۱۲۲

عدم کی بے کرانہ وسعتوں میں پرکشا تھا میں
کہ قیدِ آب وگلِ کی کشمش سے ماورا تھا میں

ترے نزدیک میں جنسِ گراں ہوں کیوں نہ ہوں آخر
کہ تو لایا ہے اس بازار میں جس سے سوا تھا میں

۱۲۳

درونم جلوهٔ افکار این چیست!

برونِ من همه اسرار این چیست!

بفرما اے حکیمِ نکته پرداز

بدن آسوده جاں سیّار این چیست!

۱۲۴

بخود نازم گدائے بے نیازم

تپم، سوزم، گدازم، نَے نوازم

ترا از نغمه در آتش نشاندم

سکندر فطرتم، آئینه سازم

۱۲۵

اگر آگاهی از کیف و کمِ خویش

یمے تعمیر کن از شبنمِ خویش

دلا دریوزهٔ مهتاب تا کے!

شبِ خود را برافروز از دمِ خویش

۱۲۳

یہ مجھ میں جلوۂ افکار کیوں ہے!
مرے باہر میں یہ اسرار کیوں ہے!

بتا بھی اے حکیم نکتہ پرداز
یہ جسم آسودہ جاں سیّار کیوں ہے

۱۲۴

خود جس پہ ناز ہے مجھے وہ بے نیاز ہوں
میں نغمہ کار و پیکرِ سوز و گذار ہوں

نغموں کی آگ سے تری ہستی سنوار دی
فطرت میں میں سکندرِ آئینہ ساز ہوں

۱۲۵

اگر تو اپنے ہر اک کیف و کم سے واقف ہو
تو تیرا قطرہ بنے بحر تیری کوشش سے

کہاں تک اے دل ناداں گدائے نورِ قمر
تو اپنی ذات کو چمکا نفس کی کوشش سے

۱۲۶

چه غم داری حیاتِ دل ز دم نیست
که دل در حلقهٔ بود و عدم نیست
مخور اے کم نظر اندیشهٔ مرگ
اگر دم رفت دل باقی ست غم نیست

۱۲۷

تو اے دل تا نشینی در کنارم
ز تشریفِ شهان خوشتر گلیمم
درونِ سینه ام باشی پس از مرگ؟
من از دستِ تو در امید و بیمم

۱۲۸

زمن گو صوفیانِ باصفا را
خداجویانِ معنی آشنا را
غلامِ همتِ آں خود پرستم
که با نورِ خودی بیند خدا را

۱۲۶

نہ غم کر دل نہیں محتاجِ انفاس
یہ کب پابند ہے بود و عدم کا

نہ غم مرنے کا کر اے کم نظر سن
ہے دل زندہ تو پھر مرنے کا غم کیا

۱۲۷

تو جب تک ہے مرے سینے میں اے دل
فقیری میں شہنشاہی نما ہوں

تو بعدِ مرگ بھی سینے میں ہوگا؟
اسی بیم ورجا میں مبتلا ہوں

۱۲۸

یہ کہہ دیجیے مری جانب سے اربابِ طریقت سے
کہ اے جویائے حق اے راہِ عرفاں ڈھونڈنے والو

میں ان خود آشنا بندوں کی ہمت کا سلامی ہوں
کہ جو نورِ خودی سے دیکھتے ہیں حق تعالیٰ کو

۱۲۹

چو نرگس این چمن نادیده مگذر
چو بو در غنچهٔ پیچیده مگذر
ترا حق دیدهٔ روشن ترے داد
خرد بیدار و دل خوابیده مگذر

۱۳۰

تراشیدم صنم بر صورتِ خویش
بشکلِ خود خدا را نقش بستم
مرا از خود برون رفتن محال است
بهر رنگے که هستم خود پرستم

۱۳۱

به شبنم غنچهٔ نورسته می گفت
نگاهِ ما چمن زادان رسا نیست
دران پهنا که صد خورشید دارد
تمیزِ پست و بالا هست یا نیست؟

۱۲۹

نرگس کی طرح باغ سے نادیدہ مت گذر
غنچہ میں مثلِ نگہت پیچیدہ مت گذر

جاگی ہوئی ہے عقل تو سویا ہے کیوں ضمیر
پائی نظر تو دیدۂ خوابیدہ مت گذر

۱۳۰

خود شکل کا اپنی بت تراشا میں نے
اپنا سا خدا کا نقش ڈھالا میں نے

ممکن نہیں میرا باہر آنا خود سے
ہر رنگ میں اپنے ہی کو پوجا میں نے

۱۳۱

چمن میں ایک ننھی سی کلی شبنم سے کہتی تھی
نظر محدود ہے میرے چمن کے رہنے والوں کی

تری دنیا کہ دامن میں کئی خورشید رکھتی ہے
وہاں ہے یا نہیں ہے امتیازِ رفعت و پستی

۱۳۲

زمیں را رازدانِ آسماں گیر
مکاں را شرحِ رمزِ لامکاں گیر
پرِ دہر ذرہ سوئے منزلِ دوست
نشانِ راہ از ریگِ رواں گیر

۱۳۳

ضمیرِ کُن فکاں غیر از تو کس نیست
نشانِ بے نشاں غیر از تو کس نیست
قدم بیباک تر نہ در رہِ زیست
بہ پہنائے جہاں غیر از تو کس نیست

۱۳۴

زمیں خاکِ درِ میخانۂ ما
فلک یک گردشِ پیمانۂ ما
حدیثِ سوز و سازِ ما دراز است
جہاں دیباچۂ افسانۂ ما

۱۳۲

زمین کو رازدارِ آسمان جان
مکان سے شرحِ رازِ لا مکان جان

رواں ذرے ہیں سوئے منزلِ دوست
تو ان ذروں کو میرِ کارواں جان

۱۳۳

مدعائے کن فکاں تیرے سوا کوئی نہیں
ہاں نشانِ بے نشاں تیرے سوا کوئی نہیں

زندگی کی راہ سے بیباک تر ہو کر گذر
جب کہ معراجِ جہاں تیرے سوا کوئی نہیں

۱۳۴

دنیا کو تو خاکِ درِ میخانہ سمجھئے
اور چرخ کو اک گردشِ پیمانہ سمجھئے

ہے اتنی دراز اپنی حدیثِ غم و راحت
کونین کو دیباچۂ افسانہ سمجھئے

۱۳۵

سکندر رفت و شمشیر و عَلَم رفت
خراجِ شهر و گنجِ کان و یم رفت
اُمم را از شهان پائنده تر داں
نمی بینی که ایراں ماند و جم رفت؟

۱۳۶

ربودی دل ز چاکِ سینهٔ من
بغارت بردهٔ گنجینهٔ من
متاعِ آرزویم با که دادی؟
چه کردی با غمِ دیرینهٔ من؟

۱۳۷

ز پیشِ من جهانِ رنگ و بو رفت
زمین و آسمان و چار سو رفت
تو رفتی اے دل از هنگامهٔ او؟
دیا از خلوت آبادِ تو او رفت؟

۱۳۵

باقی ہے سکندر نہ نشان تیغ و تبر کا
اب سطوتِ شاہی کا فسانہ بھی نہیں ہے

شاہی سے زیادہ ہے بقا قوم کو سمجھو!
ایران تو باقی ہے مگر جم بھی کہیں ہے؟

۱۳۶

کیا بتاؤں تری اک جنبشِ مژگاں کے طفیل
رشتۂ دل نہ رہا عاقبتِ سینہ کے ساتھ

آرزو کا مری سرمایہ کسے بخش دیا؟
کیا کیا تونے یہ میرے غمِ دیرینہ کے ساتھ؟

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
دارالمصنفین شبلی اکیڈمی
اعظم گڈھ، یوپی
AZAMGARH U.P.

۱۳۷

یہ کیا ہوا ہے رونقِ زمین و آسمان کو
کہ اب وہ منظرِ جہانِ رنگ و بو نہیں رہا

جہاں سے تنگ آ کے یا چلا گیا ہے دل کہیں
کہ دل کی خلوتِ صفا سے یا جہاں چلا گیا

۱۳۸

مرا از پردهٔ ساز آگہی نیست
ولے دانم نوائے زندگی چیست
سرودم آنچناں در شاخساراں
گل از مرغِ چمن پرسد کہ ایں کیست

۱۳۹

نوا مستانہ در محفل زدم من
شرارِ زندگی بر گل زدم من
دل از نورِ خرد کردم ضیا گیر
خرد را بر عیارِ دل زدم من

۱۴۰

عجم از نغمہ ہائے من جواں شد
ز سودایم متاعِ او گراں شد
ہجومے بود رہ گم کردہ در دشت
ز آوازِ درایم کارواں شد

۱۳۸

یہ سچ ہے ساز کے پردوں سے آگاہی نہیں مجھ کو
مگر یہ جانتا ہوں میں نوائے زندگی کیا ہے

مرے نغموں سے کچھ اس طرح گلشن کی فضا گونجی
کہا مرغِ چمن سے پھول نے یہ نغمگی کیا ہے

۱۳۹

نوائے مست سے محفل کو سوز و ساز دیتا ہوں
میں شعلہ زندگی کا پیکرِ خاکی میں رکھتا ہوں

کیا میں نے خرد کے نور سے قلبِ حزیں تاباں
خرد کو ہر گھڑی دل کی کسوٹی پر پرکھتا ہوں

۱۴۰

نغموں کی لَے سے میری عجم کو ملا شباب
میرا جنون غم کی متاعِ گراں ہوا

یہ اک ہجوم گمراہ و آشفتہ سر سا تھا
بانگِ درا سے مری مگر کارواں ہوا

۱۴۱

عجم از نغمه‌ام آتش بجان است
صدائے من درائے کاروان است
حُدی را تیز تر خوانم چو عُرفی
که ره خوابیده و محمل گران است

۱۴۲

ز جانِ بیقرار آتش گشادم
دلے در سینهٔ مشرق نهادم
گِلِ او شعله زار از نالهٔ من
چو برق اندر نهادِ او فتادم

۱۴۳

مرا مثلِ نسیم آواره کردند
دلم مانندِ گل صد پاره کردند
نگاهم را که پیدا هم نه بیند
شهیدِ لذّتِ نظاره کردند

۱۴۱

مری لَے سے عجم آتش بجاں ہے
صدا میری درائے کارواں ہے

بقول عرفیؔ حدی اب تیز کی ہے
کہ رہ خوابیدہ اور محمل گراں ہے

۱۴۲

دلِ مشرق کو دھڑکن میں نے بخشی
خود اس کی آگ کو میں نے ہوا دی

میرے نالے بنے وجہِ حرارت
کہ میں اس پر گرا ہوں بن کے بجلی

۱۴۳

نسیم صبح سا آوارہ کر دیا ہے مجھے
کلی تھا دل گلِ صد پارہ کر دیا ہے مجھے

مری نگاہ جو ظاہر نہ دیکھ سکتی تھی
شہیدِ لذتِ نظارہ کر دیا ہے مجھے

۱۴۴

خرد کرپاس را زرّینہ سازد
کمالش سنگ را آئینہ سازد
نوائے شاعرِ جادو نگارے
زنیشِ زندگی نوشینہ سازد

۱۴۵

زشاخِ آرزو بَرخوردہ ام من
بہ رازِ زندگی پے بردہ ام من
بترس از باغباں اے ناوک انداز
کہ پیغامِ بہار آوردہ ام من

۱۴۶

خیالم کو گل از فردوس چیند
چو مضمونِ غریبے آفریند
دلم در سینہ می لرزد چو برگے
کہ بر وے قطرۂ شبنم نشیند

۱۴۴

کمالِ عقل نے پتھر سے آئینہ بنایا ہے
ہر اک ذرے کو رشکِ جلوۂ سینا بنایا ہے

مگر شاعر کا سوزِ نغمگی کچھ اور ہی شے ہے
کہ نیشِ زندگی کو جس نے نوشینہ بنایا ہے

۱۴۵

اک شاخِ آرزو کا پالا ہوں میں
اسرارِ حیات کا شناسا ہوں میں

اب قوتِ باغبان سے ڈر اے صیاد
پیغام بہار لے کے آیا ہوں میں

۱۴۶

چنے ہیں جنتِ افکار سے پھول
کھلائے جب مضامیں کے گلستاں

ہے دل سینے میں جیسے گل کی پتی
ہوئی ہو قطرۂ شبنم سے لرزاں

۱۴۷

عجم بحریست ناپیدا کنارے
که در وے گوہرِ الماس رنگ است
ولیکن من نہ رانم کشتیِ خویش
بدریائے که موجش بے نہنگ است

۱۴۸

مگو کارِ جہان ناستوار است
ہر آنِ ما ابد را پردہ دار است
بگیر امروز را محکم که فردا
ہنوز اندر ضمیرِ روزگار است

۱۴۹

رمیدی از خداوندانِ افرنگ
ولے بر گور و گنبد سجدہ پاشی
بہ لاالائی چناں عادت گرفتی
ز سنگِ راہ مولائے تراشی

۱۴۷

عجم ہے ایک تاحدِ نظر بہتا ہوا دریا
یہ سینے میں چھپائے ہے ہزاروں گوہرِ یکتا

مگر اے دوست میری کشتیٔ ہمت گریزاں ہے
کہ اس دریا کی موجوں میں کہیں طوفاں نہیں ملتا

۱۴۸

مت کہہ کہ ہے یہ کارِ جہاں غیر استوار
اپنی ہر ایک سانس ابد کی ہے پردہ دار

غافل تو صرف آج کے دن پر یقین رکھ
فردا ضمیرِ دہر میں ہے محوِ انتظار

۱۴۹

تو خداوندانِ افرنگی سے بچ نکلا مگر
ہو گیا پھر بھی حضورِ گور و گنبد سجدہ کیش

مسلکِ وحدانیت سے اس قدر بیگانگی
سنگِ رہ کو بھی سمجھ بیٹھا ہے تو مولائے خویش

۱۵۰

قبائے زندگانی چاک تا کے
چو موراں آشیاں در خاک تا کے
بہ پرواز آ و شاہینی بیاموز
تلاشِ دانہ در خاشاک تا کے

۱۵۱

میانِ لالہ و گل آشیاں گیر
ز مرغِ نغمہ خواں درسِ فغاں گیر
اگر از ناتوانی گشتۂ پیر
نصیبے از شبابِ ایں جہاں گیر

۱۵۲

بجانِ من کہ جاں نقشِ تن انگیخت
ہوائے جلوہ ایں گل را دو رو کرد
ہزاراں شیوہ دارد جانِ بیتاب
بدن گردد چو با یک شیوہ خو کرد

۱۵۰

قبائے زندگانی چاک کب تک
یہ کاشانہ تہٗ خاشاک کب تک

دیکھا پروازِ شاہنی کے انداز
تلاشِ دانہ زیرِ خاک کب تک

۱۵۱

درمیانِ لالہ و گل چاہیے اک آشیاں
مرغِ خوش الحان ونغمہ خواں سے لے درسِ فغاں

گر اسیرِ دامِ پیری ناتوانی سے ہے تو
لے شبابِ گلستاں سے اک نصیبِ نوجواں

۱۵۲

یہ میری روح جس کے دم سے نقشِ جسم ابھرا ہے
ہوائے جلوہ نے اس کو گلِ دو رخ بنایا ہے

ہزاروں شیوۂ اظہار ہیں اس جانِ مضطر میں
اگرچہ جسمِ خاکی ایک ہی انداز رکھتا ہے

۱۵۳

بگوشم آمد از خاکِ مزارے
که در زیرِ زمین هم می تواں زیست
نفس دارد ولیکن جاں ندارد
کسے کو بر مرادِ دیگراں زیست

۱۵۴

مشو نومید ازیں مشتِ غبارے
پریشاں جلوۂ ناپایدارے
چو فطرت می تراشد پیکرے را
تماشش می کند در روزگارے

۱۵۵

جہانِ رنگ و بو فہمیدنی ہست
دریں وادی بسے گل چیدنی ہست
ولے چشم از درونِ خود نہ بندی
کہ در جانِ تو چیزے دیدنی ہست

۱۵۳

مرے کانوں میں اک مرقد سے یہ آواز آئی ہے
کہ زیرِ خاک بھی صورت تو ہو سکتی ہے جینے کی

وہ ہستی سانس تو رکھتی ہے لیکن جاں نہیں رکھتی
بقا کے واسطے جس کو ضرورت ہو سہارے کی

۱۵۴

چھوڑ نہ دامن امید ہو نہ شکارِ رنج و غم
ہستیِ کائنات کا گرچہ فنا مدار ہے

فطرتِ کار ساز ہے باعثِ خلقتِ بشر
ضامنِ ارتقا مگر گردشِ روزگار ہے

۱۵۵

دنیا کا ہر انداز ہے دامن کشِ ایماں
اس وادی کا ہر پھول جوابِ چمنستاں

توفیق اگر ہو تو نہاں خانۂ جاں دیکھ
یہ گوہرِ دل دیکھ کہ ہے دید کا ساماں

۱۵۶

تو می گوئی کہ من ہستم خدا نیست
جہانِ آب و گل را انتہا نیست
ہنوز ایں راز بر من ناکشود است
کہ چشمم آنچہ بیند ہست مانیست

۱۵۷

بساطم خالی از مرغِ کباب است
نہ در جامم مئے آئینہ تاب است
غزالِ من خورد برگِ گیاہے
ولے خونِ دلِ او مشکناب است

۱۵۸

رگِ مسلم ز سوزِ من تپید است
ز چشمش اشکِ بیتابم چکید است
ہنوز از محشرِ جانم نداند
جہاں را بانگہِ من ندید است

۱۵۶

تو نے یہ کہہ دیا کہ میں خود ہوں خدا نہیں
دنیائے آب و گل کی کوئی انتہا نہیں

مجھ سے تو آج تک یہی عقدہ نہ کھل سکا
جو کچھ میں دیکھتا ہوں وہ سب ہے بھی یا نہیں

۱۵۷

کہیں کیا کہ اپنی بساط پر نہ ہی نقل ہے نہ کباب ہے
نہ ہی اپنے جام میں ہمنش وہ شرابِ آئینہ تاب ہے

ہے غزالِ دل کا مدارِ رزق اگرچہ سبز و برگ پر
مگر اس کا خون رنگ و بو میں جوابِ عنبر ناب ہے

۱۵۸

قلبِ مسلم ہے مرے سوزِ دوراں سے تاباں
اس کی آنکھوں سے ٹپکتے ہیں مرے اشکِ رواں

وہ مرے محشرِ جذبات سے آگاہ نہیں
اس نے دیکھا ہے کہاں مری نگاہوں سے جہاں

۱۵۹

بحرف اندر نگیری لامکاں را
درونِ خود نگر این نکتہ پیداست
بہ تن جاں آنچناں دارد نشیمن
کہ نتواں گفت اینجا نیست آنجاست

۱۶۰

بہر دل عشق رنگِ تازہ برکرد
گہے با سنگ گہ با شیشہ سر کرد
ترا از خود ربود و چشمِ تر داد
مرا با خویشتن نزدیک تر کرد

۱۶۱

ہنوز از بندِ آب و گل نہ رستی
تو گوئی رومی و افغانیم من
من اول آدمِ بے رنگ و بویم
ازاں پس ہندی و تورانیم من

۱۵۹

رموزِ لا مکاں لفظوں میں مت ڈھونڈ
کہ یہ نکتہ ہے خود تجھ سے ہویدا

کبھی تو اتصالِ جسم و جاں دیکھ
ٹھکانا ہے کہاں اس تن میں جاں کا

۱۶۰

حضورِ عشق سے دلوں کو رنگِ نو بہ نو ملا
کسی کو آئینہ کیا کسی کو سنگ کر دیا

کسی کو چشمِ تر ملی کسی کی آنکھ کھل گئی
کس نے خود کو کھو دیا کسی نے خود کو پا لیا

۱۶۱

زندانِ وطن میں ابھی پابند ہے تو
کہتا ہے کہ میں رومی و افغانی ہوں

میں پہلے تو ہوں آدمِ بے رنگ و بو
پھر بعد میں ہندی ہوں کہ تورانی ہوں

۱۶۲

مرا ذوقِ سخن خوں در جگر کرد
غبارِ راه را مشتِ شرر کرد
بگفتارِ محبت لب گشودم
بیاں این راز را پوشیده‌تر کرد

۱۶۳

گریز آخر ز عقلِ ذوفنوں کرد
دلِ خود کام را از عشق خوں کرد
ز اقبالِ فلک پیما چه پرسی
حکیمِ نکته‌دانِ ما جنوں کرد

۱۶۲

ذوقِ سخن نے ہی مرا خونِ جگر کیا
میں تھا غبارِ رہ مجھے مثلِ شرر کیا

گفتارِ عشق میں جو لبِ شوق وا کیے
میرے بیاں نے زار کو پوشیدہ تر کیا

۱۶۳

کر عقل سے گریز کہ کامل وہی ہوا
جس نے بھی دل کو عشق کی گرمی سے خوں کیا

اقبالِ نکتہ داں کی نہ کچھ پوچھیے کہ بس
اس نکتہ داں نے اپنے کو صاحب جنوں کیا

لالۂ طور

لالہ طور پیام مشرق کی رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ مترجم نے ترجمہ کرتے ہوئے علامہ کی اختیار کردہ بحر کی کو ضروری نہیں سمجھا بلکہ ان کے مفہوم کو ترجمے کا محور بنا کے ترجمان کا فریضہ سرانجام دیا ہے تا کہ اظہار بیان میں وسعت پیدا ہو جائے اور ترجمہ ایک ہی بحر کی پابندی سے شعری لذت سے محروم ہو کر بے لطفی کا شکار نہ ہو۔ مترجم اس میں کہاں تک کامیاب رہے اس کی تصدیق یا اہل علم وفن کریں گے یا اقبالؒ کے شیدائی قارئین۔ ترجمے کا یہ کام ۱۹۶۸ء میں مکمل ہو گیا تھا۔ اور اُس زمانے کے روزنامہ تعمیر، جو راولپنڈی کا اُس وقت واحد اخبار تھا، کے ادبی ایڈیشنوں میں اس کا بیشتر حصہ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۶۸ء کی اشاعت سے چھپنا شروع ہوا اور چیدہ چیدہ قطعات وہاں چھپتے رہے، پھر تعمیر کا دور ختم ہو گیا تو اس ترجمہ کا بیشتر حصہ ایک طویل وقفے کے بعد روزنامہ ''نوائے وقت'' روالپنڈی نے قسط وار شروع کیا۔ اس کے بعد تسلسل کے ساتھ یہ ترجمہ ماہنامہ ''عفت'' روالپنڈی میں قسط وار چھپا اور اب کتابی شکل میں آپ کے سامنے حاضر ہے۔ یہ افکار اقبال کی توسیع اور اردو دان طبقے تک ان کے خیالات پہنچانے کی ایک کاوش ہے۔

ISBN: 978-969-416-447-2
9 789694 164472

اقبال اکادمی پاکستان